Sunday

نئی بات

sundaymag@naibaat.com

15 تا 21 دسمبر 2024ء

سانحہ اے پی ایس...
ہم تمہیں نہیں بھولیں گے

ماہِ جمادی الثانی کے
فضائل اور تاریخی حیثیت

کراچی کی آلودہ پٹی...
شفافیت سے کالک تک

علوی... شام پر 50 برس
تک حکومت کرنے والی اقلیت

فیض حمید... انا پرست
جرنیل کا بھیانک انجام

فوج میں خوداحتسابی کی بڑی مثال

لیفٹیننٹ جنرل (ر) فیض حمید پر فردِ جرم عائد

سیاسی سرگرمیوں اور آفیشل ایکٹ کی خلاف ورزیوں کے علاوہ سرکاری وسائل کے غلط استعمال کے مرتکب قرار

شہریار اشرف

ہمارے ملک میں انصاف کی اعلیٰ مثالیں قائم ہورہی ہیں کہ اگرکوئی طاقتور ہے تو وہ بھی قانون کے کٹہرے میں آئے گا۔حالیہ دنوں میں اس کی سب سے بڑی مثال سابق ڈی جی آئی ایس آئی لیفٹیننٹ جنرل (ر) فیض حمید ہیں اورچند دن قبل فیلڈ جنرل کورٹ مارشل کا سامنا کرنے والے پاک فوج کے لیفٹیننٹ جنرل (ر) فیض حمید پر باضابطہ طور پر فردجرم عائدکردی گئی ہے۔ پاک فوج کے شعبہ تعلقات عامہ (آئی ایس پی آر) کی جانب سے جاری بیان کے مطابق پاکستان آرمی ایکٹ کی دفعات کے تحت لیفٹیننٹ جنرل فیض حمید (ر) کے خلاف کارروائی شروع کردی گئی ہے۔فیض حمید پر سیاسی سرگرمیوں میں ملوث ہونے کا الزام ہے۔آئی ایس پی آر کے مطابق لیفٹیننٹ جنرل (ر) فیض حمید کے خلاف فیلڈ جنرل کورٹ مارشل کی کارروائی شروع کی گئی ہے۔آئی ایس پی آر کے مطابق فرد جرم میں سابق ڈی جی آئی ایس آئی کو سیاسی سرگرمیوں اور آفیشل سکریٹ ایکٹ کی خلاف ورزیوں میں ملوث قرار دیا گیا ہے۔آئی ایس پی آر کے مطابق جنرل (ر) فیض حمید کو ریاست کی سلامتی اور مفاد کو نقصان پہنچانے اور اختیارات کے ناجائز استعمال کا مرتکب بھی قرار دیا گیا ہے۔سابق ڈی جی آئی ایس آئی پر سرکاری وسائل کے غلط استعمال اور افراد کو نقصان پہنچانے کا مرتکب بھی قرار دیا گیا ہے۔آئی ایس پی آر کے مطابق ملک میں انتشار اور بے امنی سے متعلق پُرتشدد واقعات میں فیض حمید کے ملوث ہونے سے متعلق تفتیش بھی جاری ہے، ان پرتشدد اور بے امنی کے متعدد واقعات میں 9 مئی سے جڑے واقعات بھی شامل تفتیش ہیں۔آئی ایس پی آر کے مطابق ان پُرتشدد واقعات میں مذموم سیاسی عناصر کی ایما اور ملی بھگت بھی شامل تفتیش ہے۔پاک فوج کے شعبہ تعلقات عامہ نے واضح کیا ہے کہ فیلڈ جنرل کورٹ مارشل کے عمل کے دوران فیض حمید کو قانون کے مطابق تمام قانونی حقوق فراہم کیے جارہے ہیں۔

واضح رہے کہ سابق ڈی جی آئی ایس آئی لیفٹیننٹ جنرل (ر) فیض حمید کو رواں سال 12 اگست کو سپریم کورٹ کے حکم پر ٹاپ سٹی کی کورٹ آف انکوائری شروع کیے جانے کے بعد حراست میں لیا گیا تھا۔آئی ایس پی آر نے بتایا تھا کہ سپریم کورٹ آف پاکستان کے فیصلے کی روشنی میں لیفٹیننٹ جنرل (ر) فیض حمید کے خلاف پاکستان آرمی ایکٹ کے تحت تادیبی کارروائی شروع کی گئی ہے۔ترجمان پاک فوج نے بتایا تھا کہ جنرل (ر) فیض حمید کے خلاف ریٹائرمنٹ کے بعد پاکستان آرمی ایکٹ کی کئی خلاف ورزیاں ثابت ہوچکی ہیں جس پر انہیں تحویل میں لے کر ان کے خلاف فیلڈ جنرل کورٹ مارشل کا عمل شروع کردیا گیا ہے۔واضح رہے کہ ڈی جی آئی ایس پی آر لیفٹیننٹ جنرل احمد شریف نے رواں سال 7 مئی کی پریس کانفرنس میں فوج کے خود احتسابی کے نظام کی تفصیلات بیان کی تھی۔ڈی جی آئی ایس پی آر نے کہا تھا کہ فوج میں خود احتسابی کا عمل ہر وقت جاری رہتا ہے، جتنا بڑا عہدہ ہوتا ہے، اتنی ہی بڑی ذمہ داری ہوتی ہے اور ہمیں اپنے احتساب کے نظام پر فخر ہے۔یادرہے کہ سپریم کورٹ نے 8 نومبر 2023 کو ایک نجی ہاؤسنگ سوسائٹی کے مالک کی جانب سے جنرل (ریٹائرڈ) فیض حمید کے خلاف درخواست نمٹاتے ہوئے ریمارکس دیے تھے کہ سابق ڈی جی آئی ایس آئی اوران کے معاونین کے خلاف شکایات کے ازالے کے لیے وزارت دفاع سمیت متعلقہ فورم سے رجوع کریں۔

15 نومبر 2023 کو کیس کے تحریری فیصلے میں سپریم کورٹ نے کہا تھا کہ آئی ایس آئی کے سابق سربراہ لیفٹیننٹ جنرل ریٹائرڈ فیض حمید کے خلاف انتہائی سنگین نوعیت کے الزامات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اگر یہ الزامات درست ثابت ہوگئے تو ملکی اداروں کی ساکھ کو نقصان پہنچائیں گے۔چیف جسٹس قاضی فائز عیسیٰ، جسٹس امین الدین اور جسٹس اطہر من اللہ پر مشتمل سپریم کورٹ کے 3 رکنی بینچ نے ''ٹاپ سٹی ہاؤسنگ اسکیم'' کے مالک معیز احمد خان کی جانب سے دائر درخواست پر سماعت کی تھی۔ٹاپ سٹی ہاؤسنگ اسکیم کے مالک معیز احمد خان کی جانب سے دائر درخواست میں الزام لگایا گیا تھا کہ آئی ایس آئی کے سابق سربراہ لیفٹیننٹ جنرل ریٹائرڈ فیض حمید نے اپنے عہدے کا غلط استعمال کیا اوران کے حکم پر ان کے اوران کے خاندان کے خلاف جرائم کا ارتکاب کیا گیا۔درخواست کے مطابق 12 مئی 2017 کو پاکستان رینجرز اور انٹر سروسز انٹیلی جنس (آئی ایس آئی) کے اہلکاروں نے دہشت گردی کے ایک مبینہ کیس کے سلسلے میں ٹاپ سٹی کے دفتر اور معیز خان کی رہائش گاہ پر چھاپہ مار کر سونے اور ہیروں کے زیورات اور رقم سمیت قیمتی سامان لوٹ لیا۔درخواست میں مزید کہا گیا کہ لیفٹیننٹ جنرل (ر) فیض حمید کے بھائی سردار نجف نے ثالثی کی اور مسئلہ حل کرنے کی کوشش کی، بریت کے بعد جنرل (ر) فیض حمید نے معیز خان سے ان کے کزن کے ذریعے ملاقات کا بندوبست کرنے کے لیے رابطہ کیا جوکہ فوج میں ایک بریگیڈیئر ہیں۔

درخواست میں دعویٰ کیا گیا کہ ملاقات کے دوران جنرل (ر) فیض حمید نے درخواست گزار کو کہا کہ وہ چھاپے کے دوران چھینا گیا 400 تولہ سونا اور نقدی کے سوا کچھ چیزیں واپس کردیں گے۔ درخواست میں کہا گیا کہ آئی ایس آئی کے ریٹائرڈ بریگیڈیئر نعیم فخر اور ریٹائرڈ بریگیڈیئر غفار نے مبینہ طور پر درخواست گزار کو 4 کروڑ نقد ادا کرنے اور کچھ مہینوں کے لیے ایک نجی چینل 'آپ ٹی وی نیٹ ورک' کو اسپانسر کرنے پر مجبور کیا۔درخواست کے مطابق آئی ایس آئی کے سابق عہدیدار ارتضٰی ہارون، سردار نجف، وسیم تابش، زاہد محمود ملک اور محمد منیر بھی ہاؤسنگ سوسائٹی کے غیر قانونی قبضے میں ملوث تھے۔چیف جسٹس قاضی فائز عیسیٰ نے متعلقہ ریکارڈ طلب کیا تو عدالت کو بتایا گیا کہ سابق چیف جسٹس ثاقب نثار نے عہدہ چھوڑنے سے قبل تمام ریکارڈ کو ضائع کرنے کا حکم دیا تھا۔عدالت نے یہ بھی نشاندہی کی تھی کہ درخواست گزار بدنیتی پر مبنی مقدمہ چلانے پر جنرل (ر) فیض حمید اور دیگر ریٹائرڈ افسران کے خلاف سول یا فوجداری عدالت میں کیس دائر کرسکتا ہے۔

سابق چیف جسٹس ثاقب نثار نے اپنی ریٹائرمنٹ سے ایک روز قبل زاہدہ جاوید اسلم نامی خاتون کی جانب سے دائر کی گئی شکایت پر سماعت کے بعد معیز احمد خان کو کلیئر قرار دیا تھا۔ زاہدہ اسلم نے اپنی شکایت میں دعویٰ کیا تھا کہ معیز احمد خان ماہانہ تنخواہ کے عوض ان کے رئیل اسٹیٹ کے کاروبار کی دیکھ بھال کرتے تھے، تاہم مبینہ طور پر دھوکا دہی سے انہوں نے ان کی جائیدادیں اپنے نام منتقل کرلیں اور جب انہوں نے زمین واپس لینے کی کوشش کی تو معیز احمد خان نے انہیں سنگین نتائج کی دھمکیاں دیں۔جسٹس (ر) ثاقب نثار کو جمع کرائی گئی ایف آئی اے رپورٹ کے مطابق زاہدہ جاوید اسلم کی زمین اصل دستاویزات کی بجائے فوٹو کاپی کی بنیاد پر معیز خان کے نام منتقل کی گئی۔ایف آئی اے کی تحقیقات کے نتائج میں بتایا گیا کہ شکایت کنندہ زاہدہ جاوید اسلم اپنے دعوے کی حمایت میں کوئی ثبوت پیش نہیں کرسکیں لیکن ان کا یہ دعویٰ حقیقت سے قریب تر معلوم ہوتا ہے کہ انہیں معیز احمد خان نے ڈرایا دھمکایا کیونکہ معیز احمد خان نے زاہدہ جاوید اسلم کے اربوں روپے کے حصے کی مد میں انہیں کچھ بھی ادا نہیں کیا۔ایف آئی اے کی تحقیقاتی رپورٹ میں یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ زیر بحث جائیداد سے متعلق ڈیل نہ تو عام حالات میں عمل پذیر ہوئی اور نہ ہی رجسٹرار آفس اسلام آباد کی جانب سے دستاویزات کی فوٹو کاپیوں کی بنیاد پر ملکیت کی منتقلی کا عمل شفاف طریقے سے سرانجام دیا گیا۔

> 12 مئی 2017 کو پاکستان رینجرز اور انٹر سروسز انٹیلی جنس کے اہلکاروں نے دہشت گردی کے ایک مبینہ کیس کے سلسلے میں ٹاپ سٹی کے دفتر اور معیز خان کی رہائش گاہ پر چھاپہ مار کر سونے ہیروں کے زیورات اور رقم سمیت قیمتی سامان لُوٹ لیا تھا

> 15 نومبر 2023 کو سپریم کورٹ نے کہا تھا کہ لیفٹیننٹ جنرل ریٹائرڈ فیض حمید کے خلاف انتہائی سنگین نوعیت کے الزامات کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اگر یہ الزامات درست ثابت ہو گئے تو ملکی اداروں کی ساکھ کو بہت زیادہ نقصان پہنچائیں گے

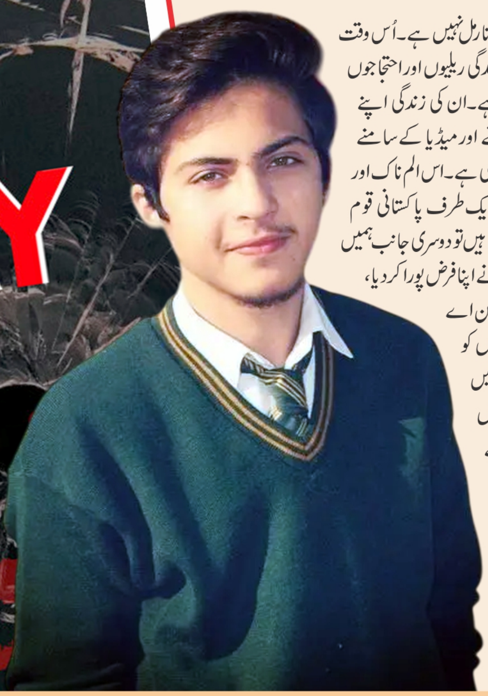

اے کمسن جانثاروں... ہم تمھیں بھولے تھے نہ بھولیں گے

سانحہ اے پی ایس کے 10 سال

کلیجہ چیر دینے والی دُکھ بھری داستان جس کا زخم کبھی مندمل نہ ہو سکے گا

سلمان افضل

آج سے دس سال قبل آرمی پبلک سکول پشاور میں ہونے والے ایک دہشت گردانہ حملے میں 132 بچوں سمیت تقریباً 150 بے گناہ لوگ شہید کر دیے گئے۔ یہ پاکستان کی تاریخ میں اب تک دہشت گردی کا سب سے بدترین حملہ سمجھا جاتا ہے۔اس کی وجہ حملے کا نشانہ بننے والے سکول کے بچوں کی کم عمری بھی تھی۔اس واقعے نے پوری قوم کو ایک ایسے صدمے سے دوچار کیا جو آج دس سال گزرنے کے بعد بھی ان کی یادوں میں تازہ ہے۔سانحہ آرمی پبلک سکول کے بعد چھلنی دلوں کو آج تک قرار نہ مل پایا اور کیسے مل پاتا یہ تو زندگی بھر کا ایسا گھاؤ ہے جو ہوا کی ہلکی سی سرسراہٹ پر پھر سے ہرا ہو جائے گا،اس اندوہناک سانحے نے نا صرف ان بچوں کے والدین کو گھائل کر رکھا ہے بل کہ ہر پاکستانی کو خون کے آنسو رلایا ہے۔پاکستان میں ستر کی دہائی کے اوائل سے سولہ دسمبر کو ملکی تاریخ میں ایک تاریک دن کے طور پر یاد رکھا جاتا ہے کیونکہ 1971ء میں اسی روز یہ جنوب ایشیائی ملک دولخت ہو گیا تھا۔پھر ٹھیک 43 سالوں بعد اسی روز یعنی سولہ دسمبر 2014ء میں دہشت گردی کے ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے نہ صرف پاکستانی قوم بلکہ پوری دنیا کو دہلا کر رکھ دیا۔پاکستانی تاریخ میں دہشت گردی کے اس بدترین واقعے کے دس سال بعد بھی کے پی کے میں دہشت گردوں کی سرگرمیوں میں تیزی نے لوگوں کو ایک بار پھر پریشان کر رکھا ہے لیکن ہمارے سکیورٹی کے ادارے خاص طور پر پاک فوج، پولیس اور رینجرز ان دہشت گردوں کا نہ صرف جوانمردی سے مقابلہ کر رہے ہیں بلکہ آئے دن درجنوں خوارج کو جہنم واصل بھی کر رہے ہیں۔آرمی پبلک سکول پر حملے کے فوری بعد اس وقت مرکز میں حکمران جماعت مسلم لیگ (ن) نے ایک کثیر الجماعتی کانفرنس بلائی تا کہ دہشت گردی کے خلاف آئندہ کے لائحہ عمل پر اتفاق رائے ہو سکے۔اس بحث سے کے نتیجے میں ایک بیس نکاتی نیشنل ایکشن پلان ترتیب دیا گیا۔اس کا مقصد انتہا پسندی کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکنا اور واقعے سے چند ماہ قبل ہی شمالی علاقوں میں ٹی ٹی پی کے مضبوط ٹھکانوں کو نشانہ بنانے کے لیے شروع کیے گئے فوجی آپریشن کی تکمیل تھا۔

لفظی ہمدردی کی مرہم پٹی اس سانحہ میں بے دردی سے شہید کر دیئے گئے بچوں کے والدین کو نہ تو مطمئن کر سکتی ہے اور نہ ہی وہ یہ ماننے کے لیے تیار ہیں کہ ان کے لخت جگر کسی جہاد میں شریک ہو کر شہید کر دیے گئے ہیں۔اس کے علاوہ سانحہ آرمی پبلک سکول سے اور بھی بہت سے ایسے سوالات جڑے ہوئے ہیں جو جواب طلب اور تحقیق طلب ہیں، اور ان سوالوں کے جوابات کے لیے شہید کیے جانے والے معصوم بچوں کے والدین آج بھی انصاف کے اُمیدوار ہیں۔یہاں تک کہ چند سال قبل سپریم کورٹ میں کیس بھی دائر کیا گیا لیکن آج تک اس مقدمے پر کوئی پیش رفت نہیں ہوئی۔اس ہولناک واقعہ کے پیش آنے سے اب تک شہید کر دیے جانے والے بچوں کے والدین کی زندگی دیگر لوگوں کی طرح نارمل نہیں ہے۔اُس وقت سے لیکر آج تک ان کی زندگی ریلیوں اور احتجاجوں میں گزری اور گزر رہی ہے۔ان کی زندگی اپنے پیاروں کی قبروں پر جانے اور میڈیا کے سامنے پیش ہونے میں ہی گزر رہی ہے۔اس الم ناک اور غم ناک سانحے نے اگر ایک طرف پاکستانی قوم کے دل چھلنی چھلنی کر دیئے ہیں تو دوسری جانب ہمیں یہ پیغام بھی دیا ہے کہ ہم نے اپنا فرض پورا کر دیا، لازوال قربانی دے دی لیکن اے ہم وطنو ہماری ان قربانیوں کو آپس کی اختلافات میں ضائع نہ کرنا اور آئندہ نسلوں کی سلامتی اور بقاء کے لیے اپنے دشمن کے خلاف سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جانا، دوسری بات یہ بھی کہ ان شہداء کے والدین یا عزیز و اقارب کو تب تک چین نہ آسکے گا جب تک من الحیث القوم ہم دہشت گردی کے اس ناسور کو جڑ سے اکھاڑ نہیں پھینکتے اور ان کی دلجوئی کے لیے حقائق سامنے نہیں لاتے۔

حقیقت میں یہ پھول جیسے بچے ہی ہمارے ہیرو ہیں اور ان کے والدین کی ہمت و حوصلے سے ہمیں اتحاد و اتفاق کا سبق ملتا ہے، کیوں کہ ان شہداء کے والدین آج عزم و حوصلے اور عظمت و استقلال کا استعارہ بن چکے ہیں، بچوں کی جدائی کا غم، ان کی پرنم آنکھوں اور افسردہ مگر پرعزم چہروں نے پوری قوم کو جگا دیا ہے،شہداء کے ناموں سے پہچان والدین کے لیے باعث فخر بن چکی ہے، خاص کر شہداؤں کی ماؤں کے حوصلے قابل دید ہیں۔ایسی مائیں بھی منظر پر آئیں جنہوں نے وطن عزیز کے لیے اپنے اکلوتے لخت جگر کو قربان کر دیا، ہر دن ہر پل یاد ستانے کے باوجود شہید کی ماں اور شہید کا والد کہلوانا والدین کے لیے قابل فخر بن گیا ہے لیکن اب ان کی زندگی کا ایک ہی مقصد رہ گیا کہ ان کے بچوں نے تو وطن کے لیے قربانی دے دی اب عسکریت پسندوں کا مکمل قلع قمع ہونا چاہیے۔اس دل خراش سانحے نے پوری قوم پر سکتہ طاری کر دیا کہ دشمنوں نے قوم کے دل اور مستقبل پر وار کیا جس کے نتیجے میں پوری قوم، سیاسی جماعتیں، سول سوسائٹی،فوجی قیادت کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی، نیشنل ایکشن پلان کے 20 نکات پر سب متفق ہوئے اور پاکستانی قوم نے دہشت گردی کے اس ناسور کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے اور ایک پرامن معاشرے کے قیام کے لیے راہیں متعین کیں۔آپریشن ضرب عضب کا آغاز ہوا تو شمالی وزیرستان سے دہشت گردوں کا صفایا ہونے لگا،اس سانحہ نے پوری قوم کو متحد کیا اور قوم ایک بحرانی کیفیت سے نکل آئی تھی لیکن اسی پر اکتفا کر کے ہمیں مطمئن ہو جانے کی بجائے دہشت گردی کے اس عفریت کا مکمل طور پر قلع قمع کرنے کے لیے ابھی مزید آگے جانا ہے۔

سانحے کے بعد آرمی پبلک سکول کی دیواریں اونچی کر دی گئیں اور ان پر خاردار تار بھی لگوا دی گئی۔سکول کی تمام اندرونی و بیرونی راستوں پر چوکس پہرہ لگا رہتا ہے۔تاہم علاقہ مکین اب دھیمی سرگوشیوں میں پشیمانی اور افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر یہ پہرہ واقعے سے پہلے لگا دیا جاتا تو اتنا بڑا جانی نقصان کبھی نہ ہوتا۔دس سال گزر جانے کے بعد آرمی پبلک سکول میں زندگی معمول کی طرف آ گئی ہے۔سانحے کے بعد اس سکول سے پڑھائی مکمل کرنے والے طلبہ اب دوسری تعلیمی درس گاہوں میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے ہیں، جبکہ نئے آنے والے طلبہ اور عملہ یہاں پڑھنے اور کام کرنے کو باعث فخر سمجھتے ہیں۔لیکن اب بھی کچھ سوالات تشنہ ہیں جن کے مکمل جوابات ملنے تک شہداء اور غازیوں کے والدین سمیت پوری قوم منتظر رہے گی، جب کہ یہ بھی مدنظر رہنا چاہیے کہ اس سارے عرصے میں ان شہداء کے والدین اور پوری قوم پر کیا بیتی اور 16 دسمبر 2014ء کے بعد پوری قوم نے جس یک جہتی کا مظاہرہ کیا اور جو اہداف رکھے گئے تھے کیا ہم اس جانب اسی رفتار سے آگے بڑھے ہیں اور اسے حاصل کیا ہے؟اتنا عرصہ والدین کی جانب سے جوڈیشل انکوائری کے مطالبے پر کیوں دیر سے عمل ہونا شروع ہوا؟ یہ ایسے سوالات ہیں جن کی جان کاری کے بعد ہی قوم اور شہداء کے والدین کو قرار مل سکتا ہے۔آج بھی جب اس دل دوز اور دل خراش واقعے سے متعلق شہداء کے والدین اور عزیز و اقارب سے بات ہوتی ہے تو غم کے مارے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔سولہ دسمبر کو آرمی پبلک سکول پشاور میں پیش آنے والے دل خراش واقعہ کے بعد ملک کی تمام سیاسی و مذہبی جماعتوں کی قیادت اس وقت کی حکومت اور عسکری قیادت نے دوٹوک الفاظ میں اس عزم کا اظہار کیا تھا کہ ملک سے دہشت گردوں کا مکمل صفایا کر کے ہی دم لیں گے، اب کوئی اگر مگر، چوں کہ چناں چہ نہیں چلے گا۔لہذا جب تک دہشت گردی کی مادی اور نظریاتی سپلائی لائن کو نہیں کاٹا جاتا تب تک ملک میں امن کا خواب ادھورا ہی رہے گا۔

> اس دل خراش سانحے نے پوری قوم پر سکتہ طاری کر دیا کہ دشمنوں نے قوم کے دل اور مستقبل پر وار کیا جس کے نتیجے میں پوری قوم، سیاسی جماعتیں، سول سوسائٹی،فوجی قیادت کے ساتھ اُٹھ کھڑی ہوئی اور نیشنل ایکشن پلان کے 20 نکات پر سب متفق ہوئے

> چند سال قبل سپریم کورٹ میں اس واقعہ کا کیس بھی دائر کیا گیا لیکن آج تک اس مقدمے پر کوئی پیش رفت نہیں ہوئی، اس ہولناک واقعہ کے پیش آنے سے اب تک شہید کر دیے جانے والے بچوں کے والدین کی زندگی دیگر لوگوں کی طرح نارمل نہیں ہے

اسماعیل شیخ

شفاف پانی سے کالک تک کا سفر

کراچی کی آلودہ ساحلی پٹی

جانوروں کے فضلے ملے پانی میں پلنے والی مچھلی میں اتنی بو ہے کہ وہ کھانے کے قابل نہیں

کسی زمانے میں کراچی کی ساحلی مٹی اتنی سفید ہوتی تھی کہ لوگ ساحل کے پانی سے اپنے بال دھویا کرتے تھے، اور آج اگر یہی مٹی پاؤں پر لگ جائے تو کئی دن تک پاؤں سے کالک نہیں جاتی ہے۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ کراچی کا سمندر آلودہ ہوتا جارہا ہے جس سے نہ صرف سمندر کنارے بسنے والے لوگ بیماریوں کا شکار ہورہے ہیں بلکہ سمندری حیات بھی خطرے سے دوچار ہیں۔ گزشتہ چند برسوں سے پورے کراچی کا سیوریج کا پانی اس سمندر میں بہائے جانے کی وجہ سے ساحل کی پوری مٹی کالی ہوگئی ہے۔ ماضی میں کراچی شہر کے طول وعرض میں بہنے والے برساتی نالوں کے ذریعے پانی اور صاف مٹی سمندر میں داخل ہوتی تھی جس سے ساحل کے قریب موجود جزیرے بڑے ہوتے تھے۔ اب حالت یہ ہے کہ وہ جزیرے جن پر لوگ کبھی 10 کلومیٹر پیدل چل کر کنارے پر پہنچتے تھے وہ سمندر برد ہو چکے

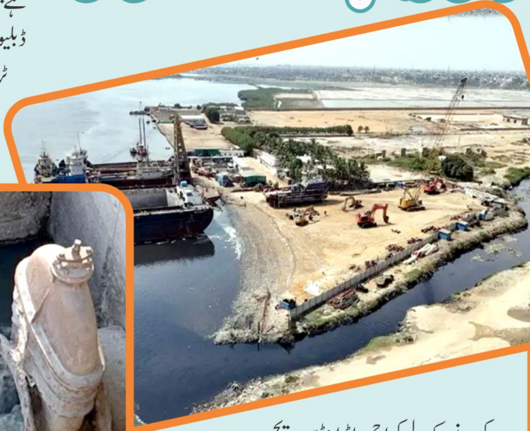

ہیں۔ پہلے پانی بہت صاف تھا اور اگر حادثاتی طور پر کوئی ڈوب جاتا تو اسے باآسانی تلاش کرلیا جاتا تھا مگر اب سیاہی مائل مٹی کی وجہ سے ڈوبنے والوں کی لاشیں کئی کئی روز تک نہیں ملتیں۔ سیوریج کے پانی نے ساحل کے نزدیکی علاقوں میں دلدل کی صورت اختیار کر لی ہے اور اکثر ڈوبنے والے یہاں پھنس جاتے ہیں۔

ساحلی پٹی کے آلودہ ہونے کی سب کی بڑی وجہ قریب واقع بھینس کالونی سے سمندر میں بہایا جانے والا ہزاروں ٹن فضلہ ہے۔ اِس ساری گندگی کی صورتحال کے باعث پاپلیٹ، کڈی، جھینگا، پھاڑ سمیت دیگر اقسام کی مچھلیاں اب یہاں سے ناپید ہوچکی ہیں۔ مریم بی بی بھی ریڑھی گوٹھ کی رہائشی ہیں۔ ان کوشکوہ ہے کہ نا صرف ساحلی علاقوں سے مچھلیوں کی تعداد کم ہوگئی ہے بلکہ جو مچھلی ملتی بھی ہے اس کا ذائقہ ٹھیک نہیں ہوتا۔ کراچی واٹر اینڈ سیوریج کارپوریشن کے سنہ 2015 کے اعداد وشمار کے مطابق پاکستان کے سب سے بڑے شہر میں روزانہ تقریباً 470 ایم جی ڈی سیوریج پیدا ہوتا ہے جو کہ شہر میں سپلائی کیے جانے والے پانی کا 70 فیصد ہے۔ تاہم یہ اعداد وشمار نا صرف سرکاری ہیں بلکہ نو سال پرانے بھی۔ ورلڈ بینک کے اندازوں کے مطابق دنیا میں ہر فرد کو یومیہ اوسطاً 40 گیلن تک پانی درکار ہوتا ہے۔ اور اگر اس اندازے کو سامنے رکھا جائے تو ڈھائی کروڑ کی آبادی کے کراچی شہر کی پانی کی روزانہ ضرورت 1000 ایم جی ڈی ہے اور اگر ان بنیادوں پر تخمینہ لگایا جائے تو کراچی میں پیدا ہونے والے سیوریج کی مقدار 700 ایم جی ڈی کے لگ بھگ بنتی ہے۔ اتنی بڑی مقدار میں خارج ہونے والے سیوریج کو ٹریٹ کرنے کے لیے کراچی واٹر اینڈ سیوریج کارپوریشن کے تحت تین سیوریج ٹریٹمنٹ پلانٹ قائم ہیں۔ یعنی ٹی پی 1، ٹی پی 2 اور ٹی پی 3۔ سرکاری اعداد وشمار کے مطابق اِن تینوں پلانٹس میں سیوریج کو ٹریٹ کرنے کی مجموعی صلاحیت 150 ملین گیلن روزانہ (ایم جی ڈی) ہے تاہم کراچی کے علاقے محمود آباد میں واقع ٹریٹمنٹ پلانٹ، ٹی پی 2، مکمل طور پر بند ہے جبکہ دیگر دو جزوی طور پر چل رہے ہیں۔ کراچی کی کئی کلومیٹر طویل ساحلی پٹی مبارک ویلیج سے شروع ہوکر بن قاسم پورٹ پر ختم ہوتی ہے۔ شہر بھر سے بغیر ٹریٹ کیے سیوریج سمندر میں شامل کیے جانے کی وجہ سے کراچی کی ساحلی پٹی کسی جگہ پر ڈھائی اور کسی جگہ پر پانچ کلومیٹر تک آلودہ ہوچکی ہے اور اس صورتحال کے باعث ایسی مچھلیاں جو صاف پانی میں رہنا پسند کرتی ہیں وہ یہاں سے ہجرت کرگئی ہیں۔ ماحولیات پر اس کے اثر کے علاوہ ان سب کا معاشی دباؤ ماہی گیروں پر پڑرہا ہے اور جو مچھلی یہاں رہ بھی گئی ہے اس میں اتنی بُو آتی ہے کہ وہ کھانے کے لائق نہیں ہوتیں اور نہ ہی مارکیٹ میں اس کا دام اچھا لگتا ہے۔ ساحل پر گندگی کی وجہ سے اب کیکڑے کی تعداد میں بھی کمی آتی جارہی ہے جس کے باعث اب ماہی گیروں کا گزارہ مشکل ہوتا جارہا ہے۔

ڈبلیو ڈبلیو ایف پاکستان کے ٹیکنیکل ایڈوائزر کا کہنا ہے کہ سمندر میں پانی ٹریٹ کیے جانے کے بعد ہی چھوڑنا چاہیے جبکہ صنعتوں سے نکلنے والے سیوریج کو الگ سے ٹریٹ کرنا چاہیے۔ کراچی کے دو علاقے ایسے ہیں جہاں کسی قسم کی سمندری حیات نہیں پائی جاتی، ایک کراچی پورٹ کا علاقہ جبکہ دوسرا گزری کریک کا۔ اگر اس صورتحال پر کنٹرول نہیں کیا گیا تو یہ بے قابو ہوسکتی ہے۔ ٹریٹمنٹ کے بغیر گٹر کا پانی سمندر میں چھوڑنے کے نتیجے میں کراچی کی ساحلی پٹیوں سے مچھلیاں ناپید ہو رہی ہیں۔ سیوریج میں نامیاتی مادہ ہوتا ہے اور جب یہ مادہ پانی سے ملتا ہے تو اس عمل کے دوران آکسیجن استعمال ہوتی ہے جس کے باعث سمندر کے اُس حصے میں جہاں سیوریج موجود ہو وہاں آکسیجن کی سطح کم ہوجاتی ہے۔ اس سارے عمل کے نتیجے وہاں ہائپوکسیا یا ''ڈیڈزون'' وجود میں آجاتا ہے جہاں سمندری حیات زندہ نہیں رہ سکتی۔ اس کے علاوہ سیوریج کے پانی میں اکثر زہریلے کیمیکلز اور پیتھوجینز جیسے بیکٹیریا اور وائرس پائے جاتے ہیں جو سمندری حیات کے لیے نقصان دہ ہوتے ہیں۔ یہ صورتحال صرف سمندری حیات کے لیے ہی نہیں بلکہ انسانوں اور دیگر جانوروں کے لیے بھی نقصان دہ ہے۔ کئی لوگوں کا خیال ہے کہ چونکہ گائے اور بھینسوں کا فضلہ ایک آرگینک میٹریل ہے تو اس کے پانی میں شامل ہونے سے سمندری حیاتیاتی نظام کو نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ دوسری طرف ماہرین کا یہ بھی کہنا ہے کہ گائے، بھینسوں کے گوبر اور فضلے کو سمندر میں پھینکنے سے سمندری ماحول میں خلل پڑتا ہے اور آلودگی کی دیگر اقسام کی طرح اس سے سمندری حیات، پانی کے معیار اور ساحلی ماحولیاتی نظام پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

> سیوریج کا نامیاتی مادہ جب پانی سے ملتا ہے تو اس عمل کے دوران آکسیجن استعمال ہوتی ہے جس کے باعث سمندر کے اُس حصے میں جہاں سیوریج موجود ہو وہاں آکسیجن کی سطح کم ہو جاتی ہے، اس سارے عمل کے نتیجے ''ڈیڈزون'' وجود میں آجاتا ہے

> پاکستان میں گرے واٹر کو دوسرے سیوریج سے الگ رکھنے کا تصور نہیں۔ گرے واٹر اس استعمال شدہ پانی کو کہتے ہیں جس میں زیادہ کیمیکلز یا دوسرا مواد شامل نہ ہو جیسے واش بیسن میں منہ دھونے کے بعد سیوریج کا حصہ بننے والا استعمال شدہ پانی ہوتا ہے

یہ بھی کہا جارہا ہے کہ مچھلی کھانے کے افراد کو زیادہ فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں کیوں کہ ان کے مطابق پاکستان کے ماہی گیری کے گراؤنڈز کراچی کے آلودہ ساحلی علاقے سے بہت دور ہیں۔ اگر یہی مچھلی کراچی کی آلودہ ساحلی پٹی کے نزدیکی پانیوں سے پکڑی جاتی ہے تو اس سے کھانے والوں کی صحت کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ پاکستان میں گرے واٹر کو دوسرے سیوریج سے الگ رکھنے کا تصور نہیں جس کی وجہ سے شہر میں پیدا ہونیوالے سیوریج کی مقدار اتنی زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ گرے واٹر اس استعمال شدہ پانی کو کہتے ہیں جس میں زیادہ کیمیکلز یا دوسرے مواد شامل نہ ہو جیسے واش بیسن میں منہ دھونے کے بعد سیوریج کا حصہ بننے والا استعمال شدہ پانی۔ دنیا بھر میں اس پانی (گرے واٹر) کو باغبانی اور دوسرے مقاصد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور اس سٹیج پر اس پانی کو ٹریٹ کرنا بھی آسان ہوتا ہے۔ ترقی یافتہ ممالک میں گھریلو سیوریج کو مرکزی سیوریج کے نظام کا حصہ بننے سے پہلے ہی ٹریٹ کرلیا جاتا ہے اس سے نہ صرف سیوریج کی مقدار میں کمی آتی ہے بلکہ اُس کی کیمیکل کمپوزیشن بھی ہمارے ہاں کے سیوریج سے مختلف ہوتی ہے۔ کراچی میں لگ بھگ تین کروڑ کی آبادی کا سیوریج ٹریٹ کرنا واقعی ایک مشکل کام ہے اس بارے میں لوگوں میں آگاہی پھیلا کر شہر میں پیدا ہونے والے سیوریج میں کمی لائی جاسکتی۔ ایک وقت تھا کہ جب شہر میں گٹر اور برساتی نالے الگ ہوا کرتے تھے، مسئلہ تب شروع ہوا جب برساتی نالوں میں سیوریج کا پانی شامل کر دیا گیا اور یہ سیوریج کے نالے بن گئے۔

☆☆☆☆

طویل اقتدار کی کہانی کا فرار کے ساتھ اختتام

علوی: 50 برس تک شام پر حکمرانی کرنے والی اقلیت

دلچسپ بات یہ ہے کہ اس فرقے میں کرسمس کا تہوار بھی منایا جاتا ہے اور دین زرتشتی کا نیا سال بھی

مہرین گل

شام کے دارالحکومت دمشق پر گزشتہ اتوار کو عسکریت پسند باغی گروہ ''ہیئت تحریر الشام'' سمیت دیگر باغی گروہوں کے قبضے کے بعد جہاں بشارالاسد کے 24 سالہ دورِ اقتدار کا خاتمہ ہوا وہیں ملک میں مقیم علوی فرقے کی سکیورٹی کے حوالے سے خدشات میں اضافہ ہوا ہے۔ بشارالاسد اور اُن کے والد علوی فرقے سے تعلق رکھتے تھے۔ یوں ایک سُنی اکثریتی ملک پر ایک ایسے فرقے کے پیروکاروں کی لگ بھگ 50 برس تک حکمرانی رہی جن کے عقائد کے بارے میں بہت کم معلومات موجود ہیں۔ گزشتہ ہفتے کی شام صدر بشارالاسد کی علوی اقلیتی برادری سے تعلق رکھنے والے افراد نے باغیوں کی جانب سے حمص پر قبضے کے بعد بڑی تعداد میں شہر چھوڑنا شروع کر دیا تھا۔ اس دوران سوشل میڈیا پر شیئر کی جانے والی ویڈیوز میں شہر سے باہر نکلنے کی منتظر گاڑیوں کی لمبی قطاریں دیکھی جا سکتی تھیں۔ اندازے کے مطابق شام میں علوی فرقے سے تعلق رکھنے والوں کی تعداد 10 سے 13 فیصد کے درمیان ہے تاہم اس کے باوجود گزشتہ 50 سالوں سے یہ ایک سُنی اکثریتی ملک پر حکمرانی کر رہے تھے۔ 1970 کی فوجی بغاوت، جس کی سربراہی بشارالاسد کے والد حافظ الاسد کر رہے تھے، کے نتیجے میں علویوں نے شام کے اہم اداروں اور سکیورٹی کے محکموں میں اپنی اجارہ داری قائم کی۔ حافظ الاسد کی علوی فرقے سے نسبت کے باعث اُن کے شام میں دیگر اقلیتی گروہوں کے ساتھ بہتر روابط قائم ہوئے جن سے انہوں نے مساوی حقوق اور تحفظ کے وعدے کیے تھے۔ مشرقِ وسطیٰ میں علویوں کو دیگر مسلمانوں کی جانب سے بہت زیادہ لبرل یا سیکولر سمجھا جاتا ہے اور اس فرقے کے عقائد پر دیگر فرقوں کی جانب سے شدید تنقید بھی کی جاتی ہے۔ علوی فرقے کو ابتدا میں فرقہ نصیریہ کہا جاتا تھا اور اس کا آغاز شام میں نویں اور 10 ویں صدی کے درمیان ہوا تھا۔ تاریخ پر نظر دوڑائی جائے تو علوی فرقہ نے شام میں کئی برسوں کے مظالم اور صلیبی جنگوں میں نقصان سہنے کے بعد شام کی اسٹیبلشمنٹ میں جگہ بنائی۔ علوی

فرقے کے بارے میں بہت کم آگاہی پائی جاتی ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس فرقے میں کرسمس کا تہوار بھی منایا جاتا ہے اور دین زرتشتی کا نیا سال بھی۔ فرانسیسی آبادکاروں کی جانب سے شامی علویوں کو ایک علیحدہ مذہب دینے کی کوشش کی گئی تھی لیکن علوی رہنماؤں کی جانب سے اس کی مخالفت کی گئی تھی۔ علوی کے معنی ''حضرت علی کے پیروکار'' کے ہیں۔ شیعہ فرقے میں پیغمبرِ اسلام کے داماد حضرت علی کی تعظیم کی جاتی ہے اور علوی فرقے کی طرح یہ عقیدہ موجود ہے کہ پیغمبرِ اسلام کے بعد انہیں ہی پہلا امام ہونا چاہیے تھا تاہم علوی فرقے کے حوالے سے یہ تاثر کہ وہ حضرت علی کو خدا کے بعد قابل تعظیم سمجھتے ہیں، کے باعث اکثر سنی مسلمان انہیں ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ تاہم کچھ سکالرز کا ماننا ہے کہ علویوں کے عقائد کے حوالے سے اس نوعیت کے تاثرات بے بنیاد ہیں۔ 2016 میں عالمی نشریاتی ادارے کو حاصل ہونے والی ایک دستاویز کے مطابق شامی صدر بشارالاسد کے علوی دھڑے کے رہنماؤں نے ایک انتہائی غیر معمولی قدم اٹھاتے ہوئے حکومت سے دوری اختیار کرنے کا کہا تھا۔ اس دستاویز میں علوی رہنماؤں نے اس بات پر زور دیا تھا کہ اُن کا عقیدہ ''صرف خدا کی عبادت کرنے کے بارے میں ہے۔'' اُن کا مزید کہنا تھا کہ 'قرآن ہی ہماری واحد مقدس کتاب ہے اور یہ ہمارے مسلمان ہونے کی واضح دلیل ہے۔' دستاویز میں علویوں کے رہنماؤں کی جانب سے اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ ان کے عقائد شیعہ اسلام سے مختلف ہیں۔ اور وہ ماضی کے ایسے فتوؤں کو رد کرتے ہیں جن کے مطابق علوی فرقے کو شیعہ اسلام کی ایک شاخ کہا گیا تھا۔ انہوں نے اس بات کو بھی واضح کیا کہ وہ برابری، خودمختاری پر یقین رکھتے ہیں اور انہوں نے سیکولرزم کو شام کا مستقبل کہا۔ علویوں کے زیادہ تر عقائد خفیہ طور پر سرانجام دیے جاتے ہیں جو شیعہ فرقے میں تقیہ کے رواج کے مطابق ہے جس کے تحت کسی بھی شخص کے لیے اپنے عقائد کو چھپایا جاتا ہے تاکہ مظالم سے بچا جا سکے۔ شام میں علوی برادری ملک کے بحیرہ روم کے ساتھ جڑی ساحلی پٹی کے ساتھ آباد ہیں۔ ان کی اکثریت ساحلی شہروں لاذقیہ اور طرطوس میں رہتی ہے اور یہ شمال میں ترک سرحد کی جانب پھیل جاتی ہے۔ ان کی کچھ تعداد ترکی کے صوبہ ہطائی اور لبنان کے جنوب اور شمال میں بھی موجود ہے۔

2011 میں جب مشرقِ وسطیٰ میں دیگر سربراہان کو برطرف کیا گیا تھا تو شام کے صدر بشار الاسد کے خلاف بھی بغاوت ہوئی تھی تاہم یہ ناکام ثابت ہوئی تھی۔ اس بغاوت کو اس فرقہ وارانہ رنگ دیا گیا تھا کیونکہ یہ معلوم ہوا تھا کہ احتجاج کرنے والوں کی اکثریت سنی فرقے سے تھی۔ خیال رہے کہ صدر بشارالاسد کی جانب سے اہم سیاسی اور عسکری عہدوں پر علوی فرقے سے تعلق رکھنے والے افراد ہی تعینات کیے جاتے تھے۔ دمشق اور حلب میں سنی تاجروں کے ساتھ اتحاد کر کے علوی اشرافیہ نے اپنا اثر ورسوخ معیشت کے ساتھ سکیورٹی محکموں اور فوج میں بھی بڑھایا۔ سخت گیر اسد نواز شبیحہ ملیشیا میں بڑی تعداد علوی فرقے سے تعلق رکھتی ہے۔ خبر رساں ادارے روئٹرز کے مطابق شام میں فرقہ وارانہ ٹارگٹ کلنگز میں اس لیے اضافہ ہوا تھا کیونکہ صدر بشارالاسد کا تعلق علوی فرقے سے ہے۔ روئٹرز کے مطابق علوی برادری کے تمام افراد بشارالاسد کی حمایت نہیں کرتے تھے اور اُن میں سے بہت کم ایسے ہیں جنہیں بشارالاسد کے دورِ اقتدار سے فائدہ ہوا ہے اور ان کی بڑی تعداد شام کی مرکزی پہاڑیوں میں رہ رہی ہے۔

> 1970 کی فوجی بغاوت، جس کی سربراہی حافظ الاسد کر رہے تھے علویوں نے شام کے اہم اداروں میں اپنی اجارہ داری قائم کی۔ حافظ الاسد کی علوی فرقے سے نسبت کے باعث اُن کے شام میں دیگر اقلیتی گروہوں کے ساتھ بہتر روابط قائم ہوئے

> مشرقِ وسطیٰ میں علویوں کو دیگر مسلمانوں کی جانب سے بہت زیادہ لبرل یا سیکولر سمجھا جاتا ہے اور اس فرقے کے عقائد پر دیگر فرقوں کی جانب سے شدید تنقید بھی کی جاتی ہے، اس فرقے کا آغاز شام میں نویں اور 10 ویں صدی کے درمیان ہوا تھا

مجھے ہر پل تمہاری یاد آتی ہے ...
کبھی چندا نکلنے پہ، کبھی سورج کے ڈھلنے پہ
ماڈل: فریال محمود
ڈیزائنر: اشرف انتھونی
sundaymag@naibaat.com

1490 قبل مسیح میں یہاں ''تحتمس سوم'' نامی فرعون کا قبضہ تھا

دمشق... بنواُمیہ کا دارالخلافہ رہنے والا قدیم شہر

یہاں کے عوام نے خلفا اور بادشاہوں کا عروج وزوال اپنی آنکھوں سے دیکھا

ولید بدران

ظلم کی رات ایک نہ ایک دن ختم ہونا ہوتی ہے اور ایسا ہی کچھ شام میں بھی ہوا جہاں سالہا سال سے مسلمان ہی مسلمانوں پر ظلم کر رہے تھے اور پھر ایک دن ایسا آیا جب شام میں انقلاب کی بازگشت سنائی دینے لگی اور دیکھتے ہی دیکھتے باغیوں نے صدراتی محل پر قبضہ کرلیا۔ درحقیقت گزشتہ اتوار کو شام میں 13 سال سے جاری خانہ جنگی کے بعد خر باغی گروہ دارالحکومت دمشق میں داخل ہوا جہاں اس نے صدر بشارالاسد کے دورِاقتدار کے خاتمے کا اعلان کردیا۔ یہ دمشق کی صدیوں پرانی اور طویل تاریخ کا ایک نیا باب ہے۔ تاریخ دانوں کو یہ تو معلوم ہے کہ دمشق ایک انتہائی قدیم شہر ہے مگر وہ قطعی یہ نہیں کہہ سکتے کہ پہلی بار اس مقام پر کوئی باقاعدہ تہذیب کب وجود میں آئی۔ 1950 کے دوران ہونے والی کھدائی کے نتیجے میں ملنے والی باقیات سے اندازہ لگایا گیا کہ چار ہزار سال قبل از مسیح میں دمشق کے جنوب مشرق میں واقع علاقے ''تل اشیخ'' میں لوگ آباد تھے۔ قدیم شہر کے علاقے ابلا (موجودہ تل مردیخ) سے تین ہزار قبل مسیح کے مٹی کے برتن اور سلیٹیں دریافت ہوئیں جس پر لفظ 'دمشق' درج تھا۔ مصر میں ''تل العمارنہ'' نامی علاقے سے دریافت کی گئی مٹی کی سلیٹ سے اس شہر کا پہلا حوالہ سامنے آیا۔ 1490 قبل مسیح میں اس علاقے پر ''تحتمس سوم'' نامی فرعون کا قبضہ تھا۔ ایک ہزار قبل مسیح کے دوران دمشق آرامینی علاقے کا دارالحکومت بنا اور اس کا ذکر بائبل مقدس اور اشوریہ کے ریکارڈز میں بھی ملتا ہے۔ دمشق میں واقع مسجد اُموی کی کھدائی کے دوران دریافت ہونے والی پتھر کے ایک سلیب پر افسانوی مخلوق ''ابو الہول'' کا تذکرہ موجود تھا۔ ''آرامیوں'' نے یہاں ایک نہروں کا نظام بنایا تھا، شہر کے کئی علاقوں کو نام اور آرامی زبان دی جو اسلام کی آمد تک قائم رہی۔

مسیحی دور سے پہلے کی صدیوں کے دوران دیگر دارالحکومتوں کی طرح دمشق پر بھی بیرونی حملہ آوروں نے قبضہ کیا جیسے آشوری قوم، سلطنت بابل، فارس، یونان اور رومیوں وغیرہ نے۔ 333 قبل مسیح میں سکندر اعظم کی مہم کے ساتھ دمشق رومن سلطنت کا حصہ بنا۔ شہر کے شمال مغرب میں بنواُمیہ کی عظیم مسجد کے قریب آج بھی رومن محل کی باقیات موجود ہیں۔

یہاں ایک چرچ موجود ہے جہاں روایات کے مطابق حضرت عیسیٰ کے ساتھی ''پال'' نے دمشق میں ہی مسیحی مذہب قبول کیا تھا۔ باقی شام کی طرح دمشق بھی چوتھی صدی میں مسیحی شہر بن چکا تھا۔ 395 میں رومن سلطنت ٹوٹنے کے ساتھ دمشق بازنطینی سلطنت کے لیے اہم دفاعی گڑھ بن چکا تھا۔ سیاسی، فکری اور مذہبی اختلافات کے باعث قسطنطنیہ کی تقسیم اور چھٹی صدی میں فارس، یونانی جنگیں ہوئیں جن میں سے اکثر شامی سرزمین پر لڑی گئیں۔ اس نے ملک کی معاشی حالات کو دگرگوں کر دیا۔ نتیجتاً دمشق نے 635 میں مسلم فوجوں کے لیے اپنے دروازے کھول دیے۔

انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا کے مطابق اگرچہ عرب مسلمان اپنے ساتھ ایک نیا مذہب، مقدس کتاب قرآن، نئی فکری سوچ اور قانونی نظام لائے تھے تاہم انہوں نے دمشق کے علاقائی خدوخال کو بدلنے کی بہت کم کوشش کی۔ 661 میں خلافت اُمویہ کے بانی معاویہ بن ابوسفیان نے شامی دارالحکومت میں پہلا دربار قائم کیا۔ اس کے بعد قریب ایک صدی تک یہ شہر پھیلتی ہوئی اُس سلطنت کا دارالخلافہ رہا جو موجودہ دور میں سپین سے چین کی سرحد تک موجود ہے۔ رقبے کے لحاظ سے یہ اسلامی تاریخ کی سب سے وسیع سلطنت تھی۔ دمشق کی مسجد اُموی اُسی دور کی عکاسی کرتی ہے۔ اسے اُموی خلیفہ ولید نے 706 سے 715 کے دوران تعمیر کروایا تھا۔ اگرچہ ماضی میں اسے کئی بار نقصان پہنچا، اسے نذر آتش بھی کیا گیا اور متعدد مرتبہ اس کی تعمیر نو بھی کی گئی تاہم یہ آج بھی اسلامی فن تعمیر کا عجوبہ ہے۔ 750 میں خلافت اُمویہ کے زوال کے بعد عباسی خلیفوں نے بغداد کو اپنا دارالخلافہ بنایا۔ یوں اسلامی سلطنت میں دمشق کا رتبہ ایک صوبائی شہر تک محدود ہوگیا۔ یہاں سے اُٹھنے والی کئی بغاوتوں کے باعث نئے حکمرانوں (عباسی خلفا) نے اس پر سختیاں کیں۔ جیسا کہ اُموی دور کی نشانیاں سمجھی جانے والی عمارتوں میں لُوٹ مار اور شہر کی دفاعی دیواروں کو گِرانا وغیرہ۔ وقت کے ساتھ جیسے ہی عالمی تجارتی راستے تبدیل ہوئے، دمشق نے اپنا وہ معاشی مقام کھودیا جو ماضی بعید میں اسے حاصل تھا۔ صورتحال اس وقت بھی نہ بدلی جب نویں صدی کے دوران بغداد سے دارالخلافہ قاہرہ منتقل ہوا۔ 11ویں صدی کے دوران دمشق سلطنتِ فاطمیہ کا حصہ بنا۔ 11ویں صدی کے اواخر میں صلیبی جنگوں نے ایک بار پھر شہر کو خطرے میں ڈالا۔ اگرچہ دمشق پر براہ راست قبضہ نہیں ہوا لیکن کئی بار اس پر حملہ کیا گیا اور اس کا محاصرہ ہوا۔ اس دور میں شہر کے درِو دیوار دوبارہ تعمیر کیے گئے اور شہر کے شمال مغربی کنارے پر محل تعمیر کیا گیا۔ 12ویں صدی تک شہر چھوٹی چھوٹی برادریوں میں بٹ چکا تھا جہاں ہر علاقے نے اپنی سہولیات، مساجد، حمام، تندور، پانی کا نظام اور بازار قائم کیے۔ تاہم اس کے باوجود مسجد اُموی اور مرکزی بازار شہر میں اتحاد کی علامت کے طور پر برقرار رہا۔

انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا کے مطابق ترک شہزادے نورالدین زنگی کی آمد کے ساتھ دمشق کے نئے دور کا آغاز ہوا۔ انہوں نے 1154 میں شہر پر قبضہ کیا اور اسے اپنی طاقتور سلطنت کا دارالخلافہ بنالیا۔ صلیبی جنگوں کے دوران یہ ان کا فوجی اڈہ تھا۔ شہر میں تعمیر نو ہوئی اور اُس کی دفاعی صلاحیتوں کو دوبارہ مضبوط کیا گیا۔ کئی نئی عمارتیں تعمیر کی گئیں اور ایک نیا فن تعمیر متعارف کروایا گیا۔ دیگر خطوں سے نقل مکانی کر کے آنے والے کئی افراد نے یہاں آکر پناہ لی۔ فوجی اور معاشی نقصانات کے باوجود صلاح الدین اور ایوبی جانشینوں کے زیرِ کنٹرول آنے کے بعد شہر نے زبردست کامیابی سمیٹی۔ انہوں نے یہاں 1260 تک حکومت کی۔ دمشق کو تعلیم اور مذہب کا مرکز بنایا گیا جہاں شہزادے دینی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ ایوبی سلطنت مسجد اُموی اور جبل قاسیون کے گرد قائم تھی جہاں کرد نسل کے لوگ فوج میں خدمات سرانجام دینے لگے۔ 1260 میں دمشق اور شام کے کئی علاقوں پر منگولوں نے حملہ کیا جس سے اس کی معاشی صورتحال ابتر ہوئی۔ جب مملوک سلاطین نے مصر پر قبضہ جمایا تو انہوں نے منگولوں کو بھی شکست دی جس سے معیشت دوبارہ بہتر ہوئی۔ 14ویں صدی کے دوران شہر جنوب میں حوارن روڈ، فلسطین اور مصر کی طرف پھیلا۔ اُسی راستے شہر سے خوراک اور لگژری اشیا کی تجارت کی جاتی تھی۔ 150 سال تک دمشق مسلمانوں اور صلیبیوں کے بیچ جنگوں کا مرکز رہا۔ چار معروف مسلم رہنماؤں زنگی، صلاح الدین، العادل (صلاح الدین کے بھائی) اور مملوک سلطان بیبرس مسجد کے قریب دفن ہیں۔

ان کے مقبرے شہر کے پُرانے مقامات میں سے ہیں جن کی 90 کی دہائی میں تزئین و آرائش کی گئی تھی۔ مملوک دور کے وسط میں دمشق نے دو بار تباہی دیکھی۔ پہلے 1348 سے 1349 تک یہاں وبا پھیلی جس نے شہر کی نصف

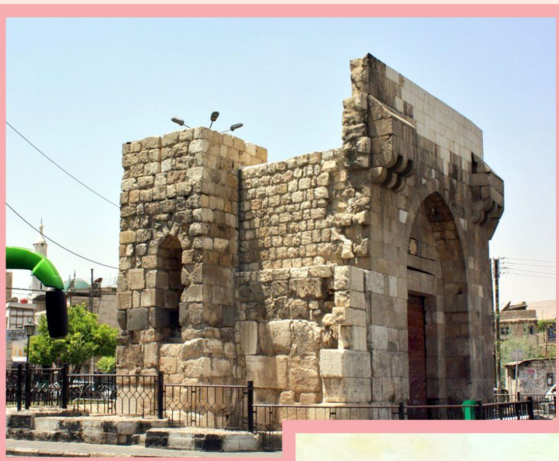

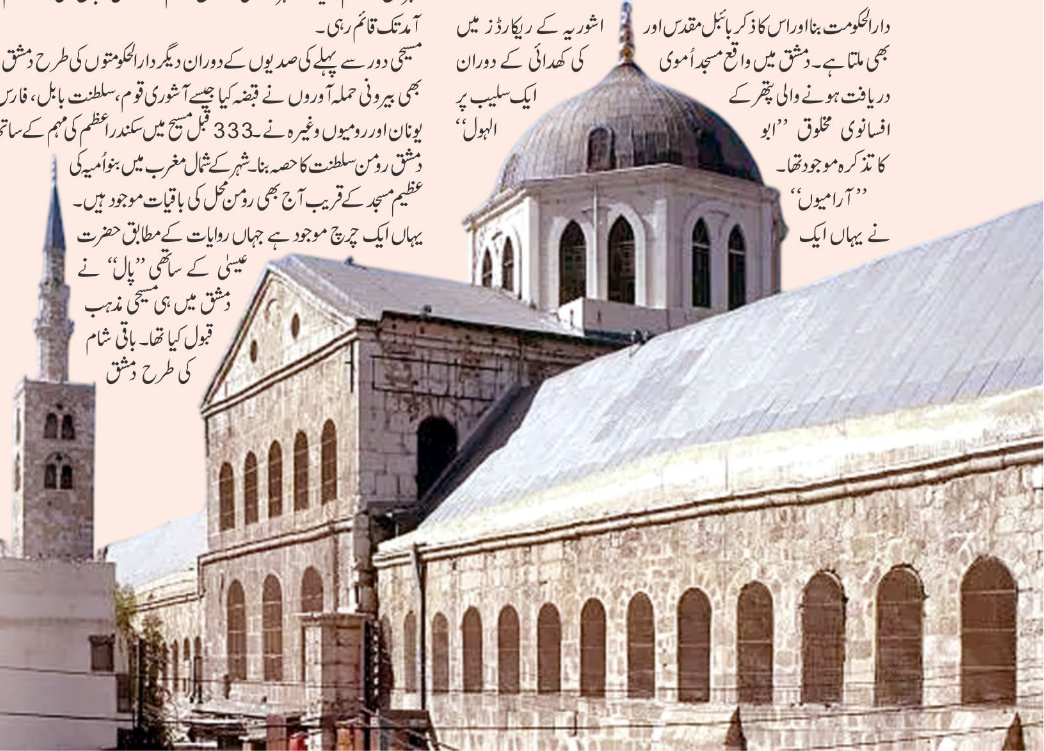

> ترک شہزادے نورالدین زنگی کی آمد کے ساتھ دمشق کے نئے دور کا آغاز ہوا، انہوں نے **1154** میں یہاں قبضہ کرکے اپنی سلطنت کا دارالخلافہ بنالیا، صلیبی جنگوں کے دوران یہ ان کا فوجی اڈہ تھا، شہر کی تعمیرنو کرکے دفاعی صلاحیتوں کو دوبارہ مضبوط کیا گیا

آبادی کو ہلاک کیا۔1401 میں امیر تیمور کی فتح شام کے دوران شہر میں قتل عام اور لُوٹ مار دوسری بڑی تباہی تھی۔ان تباہ کاریوں نے شہر کی معیشت کو کمزور کیا اور اس پر بُرا اثر چھوڑا۔15ویں صدی کے دوران تعمیرات میں اضافہ ہوا مگر اس وسعت کی وجہ غریب دیہی علاقوں سے لوگوں کی نقل مکانی

مسیحی دور سے پہلے کی صدیوں کے دوران دیگر دارالحکومتوں کی طرح دمشق پر بھی بیرونی حملہ آوروں نے قبضہ کیا جیسے آشوری قوم، سلطنت بابل، فارس، یونان اور رومیوں وغیرہ نے، 333 قبل مسیح میں سکندر اعظم کی مہم کے ساتھ دمشق رومن سلطنت کا حصہ بنا

تھی۔عثمانی دور کی دستاویزات کے مطابق شہر میں کئی کھنڈرات تھے جو شہر کے دیوالیہ ہونے کا ثبوت تھے۔خلافت عثمانیہ کے دوران دمشق نے اپنا سیاسی مقام کھو دیا لیکن اس کی تجارتی اہمیت باقی رہی۔مشرق وسطیٰ اور بلقان کو ضم

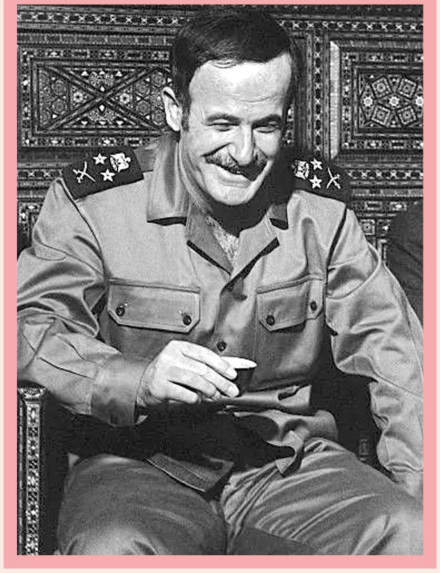

کرنے سے اندرونی تجارت بڑھی لیکن اس میں یورپی بالادستی سے شامی شہروں کا کردار تجارتی ڈپو کی حد تک رہ گیا۔عثمانی دور کے دوران دمشق میں حج سیزن کے دوران معاشی سرگرمیاں بڑھ جاتی تھیں۔عثمانی دور کے سلطان، جو خود کو مکہ اور مدینہ کے محافظ کہتے تھے، کی کوشش تھی کہ حج کے انتظامات کو منظّم کیا جائے۔اناطولیہ سے مکہ کے راستے دمشق ایک شہری مرکز تھا جو شمال اور مشرق سے آنے والے عازمین کی ملاقات کا باقاعدہ مقام بنا۔اسی لیے حج سیزن کے دوران عازمین کی رہائش کے ذریعے شہر میں معاشی سرگرمیاں بڑھیں۔یوں تعمیرات اور ترقی بھی انہی راستوں پر ہوئی جو مکہ کی طرف جاتے تھے۔تعمیرات کا عروج العزم خاندان کے دو افراد سلیمان پاشا اور اسد پاشا کے ذریعے اموی مسجد کے جنوب میں دو بڑے خانوں کی تعمیر پر منتج ہوا۔انہوں نے 18ویں صدی میں سیاسی منظر نامے پر غلبہ حاصل کیا تھا۔

19ویں صدی نے ایک نئے دور کا آغاز کیا۔مصر کے نیم آزاد حکمران محمد علی پاشا نے 1832 سے 1840 تک شام کا کنٹرول سنبھالا اور جدت

661 میں خلافت اُمویہ کے بانی معاویہ بن ابوسفیان نے شامی دارالحکومت میں پہلا دربار قائم کیا، ایک صدی تک یہ شہر اُس سلطنت کا دارالخلافہ رہا جو سپین سے چین کی سرحد تک موجود ہے، رقبے کے لحاظ سے یہ اسلامی تاریخ کی سب سے وسیع سلطنت تھی

کے عمل نے یورپی طرز زندگی کو فروغ دیا۔یورپی طاقتوں کی مدد سے عثمانیوں کی واپسی کے بعد مقامی معیشت پر یورپی تسلط تیز ہوا لیکن جدت کا عمل سست پڑ گیا۔1860 میں پُرتشدد مذہبی جنونیت نے خطے میں، خاص طور پر موجودہ لبنان کے علاقے میں، براہ راست یورپی مداخلت کی راہ ہموار کی۔عظیم عثمانی مصلح مدحت پاشا 1878 میں گورنر بنے۔انہوں نے شہر کی بہتری، گلیوں کو وسعت دینے اور نکاسی آب کو بہتر بنانے پر کام کیا۔20ویں صدی کے اوائل میں جرمن انجینئرز نے دمشق، مدینہ ریلوے تعمیر کی جس نے حاجیوں کے سفر کو پانچ دن تک محدود کر دیا۔پہلی عالمی جنگ کے دوران دمشق عثمانی اور جرمن افواج کا مشترکہ ہیڈکوارٹر تھا۔اس سے قبل اور جنگ کے دوران دمشق میں عرب قوم پرستی بڑھی اور دمشق عثمانی مخالف تحریک کا ایک مرکز بنا۔مکہ کے فرمانروا فیصل نے عرب بغاوت کی حمایت کے لیے یہاں کے خفیہ دورے کیے۔فیصل کے والد نے یہ تحریک 1916 میں شروع کی

تھی۔جوابی اقدام میں عثمانی کمانڈر اِن چیف جمیل پاشا نے 6 مئی 1916 کو 21 عرب قوم پرستوں کو پھانسی پر لٹکا دیا اور آج بھی یہ دن 'یوم شہدا' کے طور پر منایا جاتا ہے۔عثمانیوں کو برطانوی اور عربوں کی مشترکہ جارحیت سے شکست ہوئی اور ستمبر 1918 میں شہر کو خالی کر دیا گیا۔1919 میں ایک آزاد شامی ریاست کا اعلان کیا گیا جس کا دارالحکومت دمشق تھا اور فیصل کو 1920 کے اوائل میں بادشاہ قرار دیا گیا۔

شام کی بادشاہت زیادہ دیر تک نہیں چل سکی کیونکہ پہلی عالمی جنگ کے دوران یورپی طاقتوں نے سلطنت عثمانیہ کے صوبوں کو آپس میں تقسیم کرنے کے لیے خفیہ مذاکرات کیے تھے۔شام پر فرانسیسی تسلط قائم ہوا اور دمشق میسالون کی جنگ کے بعد

1860 میں پُرتشدد مذہبی جنونیت نے خطے میں، موجودہ لبنان کے علاقے میں براہ راست یورپی مداخلت کی راہ ہموار کی، عظیم عثمانی مصلح مدحت پاشا 1878 میں گورنر بنے، انہوں نے شہر کی بہتری، گلیوں کو وسعت دینے اور نکاسی آب کو بہتر بنانے پر کام کیا

25 جولائی 1920 کو جنرل ہنری گوراوڈ کی فوج کے ہاتھ لگ گیا۔دمشق نے فرانسیسی قبضے کے خلاف مزاحمت کی اور 1925 میں شہر پر فرانسیسی بمباری کے باوجود 1927 کے اوائل تک مزاحمت جاری رہی۔ایک نیا شہری منصوبہ تیار کیا گیا۔پرانے شہر کے گرد ایک جدید رہائشی علاقہ بنایا گیا۔غوطہ کو الگ کر دیا گیا جہاں شامی باغی باقاعدگی سے پناہ لیتے تھے۔اس جدید شہر میں یورپ کے سماجی، ثقافتی اور تعمیراتی طرز زندگی نے روایتی طرز زندگی کا مقابلہ کیا۔ بالآخر روایتی زندگی معدوم ہوتی گئی۔شام میں فرانسیسی تسلط کے دور میں شدید سیاسی سرگرمیاں دیکھنے میں آئیں جن میں لبرل ازم، کمیونزم اور عرب قوم پرست شامل تھے۔دمشق کے شہریوں نے اپنے ہم وطنوں کے ساتھ مل کر اپنے ملک کی آزادی اور واحد عرب ریاست کے وسیع تر مقصد کے لیے جدوجہد کی۔اس مقصد کے لیے وقف بعث پارٹی کی بنیاد دوسری عالمی جنگ کے دوران دمشق میں رکھی گئی۔اپریل 1946 میں فرانسیسی افواج بالآخر ملک سے نکل گئیں اور دمشق ایک بار پھر آزاد شام کا دارالحکومت بن گیا۔کمزور شامی جمہوریت خطے کے بڑے سیاسی ہنگاموں کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں تھی، خاص طور پر 1948 میں فلسطین کی تقسیم اور عرب اسرائیل جنگ جو فوراً شروع ہو گئیں۔1949 سے 1970 تک کئی بغاوتوں میں کئی رہنما اقتدار میں آئے۔مصر اور شام کے قلیل مدتی انضمام متحدہ عرب جمہوریہ (1958-1961) کے دوران دمشق کی بجائے قاہرہ دارالحکومت بنا رہا۔1963 میں بعث پارٹی بغاوت کے ذریعے اقتدار میں آئی اور سوشلسٹ اصلاحات کا تجربہ شروع کیا۔1970 میں اس وقت کے وزیر دفاع حافظ الاسد کی قیادت میں ایک اندرونی بغاوت ہوئی جس کے بعد وہ 30 سال تک ملک کے سربراہ رہے۔2000 میں اُن کی موت کے بعد ان کے بیٹے بشار الاسد اُن کے جانشین بنے۔بشار الاسد ایک جدید اور اصلاح پسند صدر کے طور پر اُبھرے۔تاہم جو امیدیں اُن سے وابستہ کی گئی تھیں وہ بڑی حد تک ادھوری رہ گئیں۔لیکن دمشق سیاسی قوتوں، اقتصادی مفادات اور دارالحکومت میں بہتر زندگی کے خواہاں دیہی شامیوں کے لیے ایک مقناطیس کا کام کرتا رہا۔

مارچ 2011 میں صدر بشار الاسد کی قیادت میں شامی حکومت کو ایک بے مثال چیلنج کا سامنا کرنا پڑا جب ملک بھر میں جمہوریت کے حق میں مظاہرے پھوٹ پڑے۔شامی حکومت نے احتجاج کو دبانے کے لیے پُرتشدد کریک ڈاؤن کے ساتھ ساتھ پولیس، فوج اور نیم فوجی دستوں کا بھرپور استعمال کیا۔2011 میں حزب اختلاف کی ملیشیا بننا شروع ہوئی اور 2012 تک یہ معاملہ خانہ جنگی کی نہج تک پہنچ گیا۔2011 کی موسم گرما تک شام کے ہمسایہ ممالک اور عالمی طاقتیں اسد کے حامیوں اور مخالفین میں تقسیم ہو گئیں۔امریکہ اور یورپی یونین بشار الاسد پر تنقید کرتے رہے کیونکہ وہ مظاہرین کے خلاف کریک ڈاؤن کر رہے تھے۔اگست 2011 میں امریکی صدر براک اوباما اور کئی یورپی سربراہان نے اسد سے اقتدار چھوڑنے کا مطالبہ کیا۔تاہم شام کے دیرینہ اتحادی ایران اور روس نے اپنی حمایت جاری رکھی۔ اکتوبر 2011 میں روس اور چین نے اسد کے خلاف اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کی قرارداد کو ویٹو کیا تھا۔خانہ جنگی کے دور میں دمشق ایک دہائی سے زیادہ عرصے تک محفوظ پناہ گاہ رہا مگر شامی باغیوں نے آٹھ دسمبر 2024 کو بشار الاسد کا تختہ الٹ دیا۔

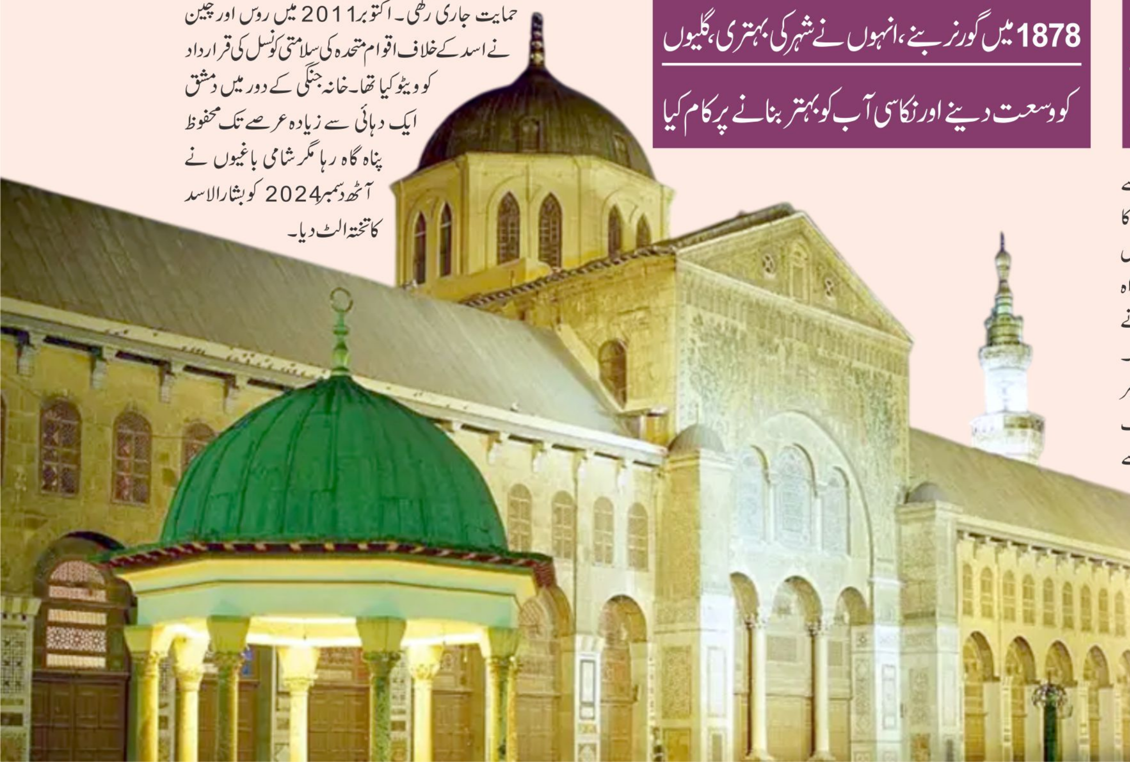

مولانا قاری محمد سلمان عثمانی

اہم غزوات اور معروف شخصیات کی وفیات

ماہِ جمادی الثانی کے فضائل اور تاریخی حیثیت

اس مہینے میں معمول کی عبادت کی جائے اور اس پر کسی خاص ثواب کا اعتقاد نہ رکھا جائے

ماہ جمادی الثانی ہجری اعتبار سے چھٹا مہینہ ہے، اس مہینے پر اسلامی سال کا نصف ہوتا ہے، اس کو جمادی الاخریٰ بھی کہا جاتا ہے، مفسر علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی شہرہ آفاق تفسیر میں اس کی وجہ تسمیہ یہ ذکر کی ہے کہ یہ نام ''جمادی'' اور ''الثانی'' دو لفظوں کا مجموعہ ہے، جمادی جمد سے بنا ہے جس کے معنی ''ٹھنڈک'' کے آتے ہیں اور الثانی کا معنی ہے ''دوسرا'' یوں اس کا مجموعی مطلب بنتا ہے ''دوسری ٹھنڈک'' جس زمانہ میں اس مہینے کا نام تجویز کیا گیا اس وقت عرب میں اس قدر سخت سردی پڑ رہی تھی کہ برتنوں میں پڑا ہوا پانی جم جاتا تھا اور یہ اس سردی کا دوسرا مہینہ تھا، اس موسمی کیفیت کے پیش نظر اس ماہ کا نام جمادی الثانی رکھا گیا۔

اس مہینے کا شریعتِ اسلام سے کوئی تعلق نہیں جس کی وجہ سے اسے دوسرے مہینوں پر کوئی جزوی یا کلی فضیلت حاصل ہو، نہ اس میں کوئی مخصوص عبادت مشروع ہے اور کوئی خاص حکم اس سے متعلق ہے، بعض قدیم محققین نے اس مہینے کی پہلی، پندرہویں اور انتیسویں تاریخوں میں ایک مخصوص طریقہ سے چار نوافل پڑھنے پر یہ فضیلت نقل کی ہے کہ ایسے شخص کو ہزار نیکیاں ملتی ہیں اور وہ جنت میں اس کے لیے چار حوریں پیدا کی جاتی ہیں، ایسی روایات بے سند ہیں جن پر عمل نہیں کیا جا سکتا، لہٰذا اس مہینے میں معمول کی عبادت کی جائے اور اس پر کسی خاص ثواب کا اعتقاد نہ رکھا جائے۔

اس ماہ میں بہت سے تاریخی واقعات پیش آئے جس کی وجہ سے اس مہینے کو مسلمہ تاریخی حیثیت حاصل ہے اور یہ اہلِ سیر اور اہلِ تاریخ کی مباحث کا موضوع رہا ہے، لہٰذا سیرت وسوانح کی کتب کے معتبر حوالوں سے اس ماہ پیش آنے اہم غزوات اور معروف شخصیات کی وفیات کا مختصر ذکر قارئین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ اس ماہ میں ہونے والا اہم ترین معرکہ ''یرموک'' ہے جو خلیفہ راشد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عہدِ مبارک میں پیش آیا، یہ جنگ مسلمانوں کے لیے تاریخی حیثیت رکھتی ہے، اس جنگ کی کمان حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھی، مسلمانوں کے مدِ مقابل رومی فوج تھی، دریائے یرموک کے کنارے واقع ہونے والی اس جنگ میں مسلمانوں نے جرأت و بہادری کے انمٹ نقوش چھوڑے، رومی فوج مسلمانوں سے چار گنا زیادہ تھی اور ان کی طرف سے اس قدر سخت تیر اندازی ہوئی کہ تیروں میں سورج چھپ گیا، لیکن اس کے باوجود مسلمانوں نے اسے پسپا کر کے روم پر فتح کے جھنڈے گاڑ دیے اور اس دور کی سُپر پاور طاقت کو ملیا میٹ کر کے رکھ دیا۔ 15 ہجری ماہِ جمادی الثانی میں بصرہ شہر کی بنیاد رکھی گئی، یہ علاقہ بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ زریں میں مسلمان فوج کے زیرِ نگیں آیا تھا، اس شہر کی آبادی کا سہرا حضرت عتبہ بن غزوان کے سر ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو یہ ذمہ داری سونپی کہ ایلہ نامی بندرگاہ کے قریب ایک شہر بسائیں، امیر المومنین کی ہدایت پر عتبہ آٹھ سو سو آدمیوں کو لے کر روانہ ہوئے، یہ جگہ خالی میدان تھی، زمین کنکریلی تھی اور اور گردو پیش کہیں پانی اور سبزہ کا نام و نشان بھی نہیں تھا، حضرت عتبہ نے

> غزوہ تبوک میں جو تین صحابہ کرامؓ پیچھے رہ گئے تھے اور اس کی وجہ سے سب مسلمانوں نے پچاس دن تک ان سے سوشل بائیکاٹ کیے رکھا اور بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان کی معافی کا قرآنِ کریم میں اعلان فرمایا ان میں ایک حضرت کعب بن مالکؓ بھی تھے

مناسب جگہوں پر مکانات بنوا کر محلے آباد کیے۔ عوامی ضروریات کے لیے سرکاری عمارتیں تعمیر کروائیں، یہاں کی نئی آبادی کی دینی ضروریات کے لیے با قاعدہ طور پر تعلیمی حلقے قائم کیے اور ماہر معلمین کا انتظام کیا۔

دیکھتے ہی دیکھتے یہ چھوٹا سا قصبہ بہت بڑے شہر کی صورت اختیار کر گیا اور اس کا شمار بڑے بڑے شہروں میں ہونے لگا، آج بھی اس شہر کو ایک تاریخی حیثیت حاصل ہے اور اُمت کے کبار مفسرین، محدثین، مؤرخین اور صوفیاء کرام نے اس کی مردم خیز مٹی سے جنم لیا ہے۔ ماہِ جمادی الثانی میں جن جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی وفات حسرت آیات کے المناک سانحات پیش آئے ان میں ایک نام حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا ہے، ان کی کنیت ابوعبداللہ تھی اور قبیلہ بنوسلمہ کے چشم و چراغ تھے، بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر مشرف بہ اسلام ہوئے، امام ابی حاتم رحمہ اللہ نے انہیں اصحابِ صفہ میں شمار کیا

> حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ ایک درویش مزاج اور انتہائی سادہ زندگی گزارنے والے صحابی تھے، کسی شخص کا بلند مکان دیکھتے تو برہم ہو جاتے اور اس کو تنبیہ کرتے ہوئے فرماتے کہ اتنی مختصر زندگی میں اتنی بڑی عمارتیں کیوں بناتے ہو

ہے، غزوہ تبوک میں جو تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پیچھے رہ گئے تھے اور اس کی وجہ سے سب مسلمانوں نے پچاس دن تک ان سے سوشل بائیکاٹ کیے رکھا اور بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان کی معافی کا قرآنِ کریم میں اعلان فرمایا ان میں ایک حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بھی تھے، امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا شمار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص درباری شعراء میں ہوتا تھا، باختلافِ اقوال آپ رضی اللہ عنہ کی وفات چالیس، پچاس یا اکیاون ہجری میں ہوئی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا سانحہ ارتحال بھی اسی ماہ میں پیش آیا، آپ رضی اللہ عنہ پوری جماعت صحابہ میں سب سے زیادہ قرآنی علوم کے ماہر تھے، اسی بناء پر آپ رضی اللہ عنہ کو ''رئیس المفسرین'' ''ترجمان القرآن'' اور حبر الامۃ'' کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ جب مسلمان شعبِ ابی طالب کی قید کاٹ رہے تھے اس وقت ان کی پیدائش ہوئی، خلفاء راشدین کے عہد مبارک میں کئی بار امیرِ حج مقرر کیے گئے، قرآنی علوم پر مہارت کے ساتھ ساتھ اعلیٰ درجے کے فقیہ بھی تھے، ان کے حلقہ درس میں جلیل القدر صحابہ وتابعین شریک ہو کر کسبِ فیض کرتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب بھی کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو انہی کی طرف رجوع فرماتے، عقلی کمال کا عالم یہ تھا خلفاءِ راشدین کے ادوار میں انہیں مشیر کے عہدے پر فائز کیا گیا اور بہت سے اہم دینی امور میں ان کی رائے کے پیش نظر فیصلے کیے گئے۔ 68 ہجری میں بعمر ستر سال آپ رضی اللہ عنہ نے دنیا سے رحلت فرمائی اور محمد بن حنفیہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔

ماہ جمادی الثانی 22 ہجری میں مشہور صحابی حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کے انتقالِ پرملال کا واقعہ پیش آیا، آپ رضی اللہ عنہ ایک درویش مزاج اور انتہائی سادہ زندگی گزارنے والے تھے، کسی شخص کا بلند مکان دیکھتے تو برہم ہو جاتے اور اس کو تنبیہ کرتے ہوئے فرماتے کہ اتنی مختصر زندگی میں اتنی بڑی عمارتیں کیوں بناتے ہو، عبادت کا شوق اس قدر غالب تھا اس عظیم مقصد کے لیے اپنی تجارتی سرگرمیاں موقوف کر دی، مالی اعتبار سے بہت کمزور تھے لیکن خود دار تھے اور کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہیں کرتے تھے، آپ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی تعلیم کے لیے مسجد میں مختلف حلقے قائم کر رکھے تھے، ہر دس افراد پر ایک حلقہ ہوتا تھا اور اس کا ایک نگران مقرر تھا جو انہیں دین کے مسائل سکھاتا تھا، مجلس کے آخر میں سوالات کی عام نشست ہوتی اور جس کو جو مسئلہ پوچھنا ہوتا پوچھ لیتا تھا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔

ایلو ویرا سے بنائیں میک اپ

ماسک ہو یا فیشل ہر طریقے سے استعمال حیرت انگیز

ایلو ویرا کو بہت سے طریقوں سے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ماسک ہو یا فیشل،مساج ہو یا کریم ہر طریقے سے ایلو ویرا کا استعمال حیرت انگیز فوائد دیتا ہے۔ایلو ویرا درج ذیل طریقوں سے ہمارے لئے میک اپ کو آسان بناتا ہے۔

لپ گلوز:

ایلو ویرا سے نیچرل لپ گلوز کی تیاری کے لئے ایلو ویرا جیل لیں،جیل میں فوڈ کلر ڈال کر اچھی طرح مکس کریں اور اپنے ہونٹوں پر لگائیں۔

ایلو ویرا اور بیس:

اگر آپ کی جلد بہت خشک ہے جس کی وجہ سے چہرے پر بیس ٹھیک سیٹ نہیں ہوتا بیس میں تھوڑا سا ایلو ویرا جیل اور چند قطرے کسی بھی اچھے آئل کے ڈال لیں۔ اب ان سب کو اچھی طرح مکس کر کے چہرے پر اپلائی کریں۔اس طرح آپ کے چہرے پر بیس بہت زیادہ دیر تک سیٹ رہے گا۔

میک اپ فکسر:

میک اپ اپلائی کرنے کے بعد بہت سے مسائل کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔ ان مسائل میں موسمی اثرات اور جلدی مسائل بھی ہوتے ہیں۔ان مسائل سے بچنے میں ایلو ویرا جیل بہت مددگار ہے۔ایلو ویرا جیل کو میک اپ فکسر کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ ایلو ویرا جیل میں پانی اور وِچ ہیزل کو مکس کریں۔اس مکسچر کو سپرے بوتل میں ڈال لیں۔ میک اپ کرنے کے بعد چہرے پر اپلائی کریں۔

میک اپ ریمور:

ایلو ویرا جیل کو بطور میک اپ ریمور استعمال کرنے کے لئے اس میں پانی اور اولیو آئل ڈال کر اچھی طرح مکس کریں۔ یہ ایک بہترین نیچرل میک اپ ریمور ہے۔ ایلو ویرا جیل میں کوکونٹ آئل، گلیسرین اور شہد ملائیں۔ ان تمام اشیاء کو اچھی طرح مکس کر لیں اور اس مکسچر کو بطور میک اپ ریمور استعمال کریں۔

☆☆☆☆

بھاپ لینا کیوں ضروری

اس سے چہرے کی قدرتی چمک لوٹ آئیگی

زمانہ قدیم میں یونانی خواتین اپنی خوبصورتی برقرار رکھنے کے لئے باقاعدگی سے پورے جسم پر بھاپ دیا کرتی تھیں۔ آج بھی ماڈرن خواتین کلینزنگ کرنے اور فیشل لینے کے بعد اسٹیم یعنی بھاپ لیتی ہیں گویا یہ فیشل کا اختتامی مرحلہ چہرے کی صفائی مکمل کرتا ہے۔ آج بھی گھر میں آپ جب چاہیں کلینزنگ کریں اور ایک پیالے میں گرم پانی اور تولئے کی مدد سے سٹیم لے سکتی ہیں۔ اس سے چہرے کے مسام کھل جاتے ہیں۔ ان میں موجود سفید اور سیاہ کیل نرم ہو کر باہر نکل جاتے ہیں اور ساتھ ہی گردوغبار اور دھول مٹی کا بھی صفایا ہو جاتا ہے۔ بھاپ لینے کے اس عمل سے چہرے پر موجود داغ دھبے بھی فوری طور پر ختم ہو جاتے ہیں۔ ماہرین حسن فیشل کے ہفتہ وار پروگرام کو ترجیح دیتے ہیں کیونکہ ماحولیاتی آلودگی اور اگر آپ روزانہ فاؤنڈیشن اور پاؤڈر استعمال کرتی ہوں تو چہرے کی آلودگی میں اضافہ ہوتا ہے۔ رنگت ماند پڑتی ہے۔

چہرے کی جلد سے گندگی اور گردوغبار کی اولین تہہ علیحدہ ہونے کے بعد گرم پانی کے پیالے میں کوئی جڑی بوٹی مثلاً لیونڈر کی جھاڑی یا پتے یا گلاب کی چند پتیاں یا اپنا پسندیدہ تیل تلسی کے دو چار پتے، نیم یا پودینے اور لیموں کے پتے، کچھ بھی ڈال سکتی ہیں۔ مساج کرنے کا دورانیہ تقریباً 15 منٹ پر مشتمل ہونا چاہئے اس کے بعد تولیہ سر کے اطراف اس طرح لپیٹیئے کہ بال ڈھکے رہیں۔ چہرہ تولئے کے اندر ہو۔ پانی زیادہ گرم محسوس ہو تو چہرے کو پیالے سے ذرا فاصلے پر رکھ کر ڈھک لیں۔کم از کم 15 منٹ تک بھاپ چہرے کو پڑتی رہے۔اس دوران اگر آپ کو سانس لینے میں مشکل ہو رہی ہو یا آپ خود کو آرام دہ محسوس نہ کر رہی ہوں تو ہر تھوڑی دیر بعد تولیہ ہٹا کے سانس لے لیجئے۔ اگر آپ بھاپ کے پانی میں چنبیلی کا پھول یا لیونڈر آئل کے دو چار قطرے شامل کر لیتی ہیں تو اس طرح پانی اچھا موئسچرائزر بن جاتا ہے۔ یہ آپ کی خشک جلد کو نرم کر دیتا ہے۔ چکنی جلد حساس ہوتی ہے لہٰذا پانی میں عرق گلاب، گرین ٹی کے چند پتے، روزمیری کے ایزنشیل آئل یا تازہ پتے شامل کر کے پانی اُبال لیں اور قابل برداشت حد تک ہو جائے تو بھاپ لیں۔ آخر میں نرم ٹشو پیپر یا نرم تولئے سے چہرہ خشک کریں۔ حساس جلد کی حامل خواتین کبھی چہرہ نہ پونچھیں اور نہ ہی اسے رگڑیں۔ ان چند احتیاطی تدابیر کے بعد آپ دیکھیں گی کہ چہرہ صاف شفاف اور پہلے سے زیادہ پُرکشش ہو گیا ہے۔

بچوں کو آؤٹ ڈور سرگرمیوں کا عادی بنائیے

بچوں کو آؤٹ ڈور سرگرمیوں (Outdooractivities) کا عادی ہونا چاہیے۔ اس طرح سے ان کی ذہنی اور جسمانی صلاحیت بڑھتی ہے۔ والدین کو چاہیے کہ وہ بچے کی اِن ڈور سرگرمیوں (activitiesIndoor) کو کم کر اس کو آؤٹ ڈور سرگرمیوں کے مواقع دیں اور ان کو وقت دیں تا کہ بچے کی ذہنی صلاحیتوں میں اضافہ ہو اور وہ ڈپریشن (Depression) میں مبتلا نہ ہو۔ مغربی معاشرے میں بچوں کو اسکول اور کالج میں ویڈیو گیمز (VideoGames) کی بجائے اسکریبل (Scrabble) اور اس قسم کے کھیلوں میں دلچسپی پیدا کی جاتی ہے۔ اس طرح ان کا آئی کیو لیول (IQLevel) بڑھتا ہے اور وہ تعلیم کے میدان میں بھی اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ طبی ماہرین کے نزدیک ویڈیو گیمز بچوں کو ڈپریشن کا مریض بناتی ہیں۔ آج کے اس ترقی یافتہ دور میں والدین اپنے بچوں کو ویڈیو گیمز کا تحفہ بہت خوشی سے دیتے ہیں لیکن ویڈیو گیمز بچوں کو ڈپریشن کا مریض بناتی ہیں۔ ٹیکنالوجی کے اس دور میں ویڈیو گیمز بچوں کا سب سے پسندیدہ مشغلہ ہیں، لیکن نئی تحقیق کے مطابق زیادہ ویڈیو گیم کھیلنا بچوں کی ذہنی صحت کے لیے اچھا نہیں۔ نیویارک میں ایک فلاحی تنظیم نے ہائی اور پرائمری اسکولوں کے تقریباً تین ہزار بچوں پر دو سال تک تحقیق کی۔ تحقیق میں بین الاقوامی ماہرین کے ایک گروپ نے یہ نتیجہ نکالا کہ جو بچے ویڈیو گیمز کھیلنے میں زیادہ وقت گزارتے ہیں ان میں ڈپریشن اور پریشانی بڑھ جاتی ہے اور وہ دوسروں سے ملنے جلنے سے گھبراتے ہیں۔ اس کے علاوہ کسی سے میل جول پسند نہیں کرتے اور تنہائی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ چھوٹے بچوں کو دن میں ایک گھنٹے سے زیادہ ویڈیو گیمز کھیلنے، کمپیوٹر استعمال کرنے یا ٹی وی دیکھنے کی اجازت نہیں دینی چاہیے۔ تاہم اس کے ساتھ ہی کچھ طبی ماہرین کا یہ بھی کہنا ہے کہ اس طرح سے بچوں کے اعصابی بیماری میں مبتلا ہونے کا امکان ہوتا ہے کیونکہ بچہ ویڈیو گیمز کے کیریکٹرز (Characters) کے ساتھ ساتھ خود بھی یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ بھی اس کا حصہ ہے۔ اس طرح اس میں جذباتی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جو اس کے لیے ٹھیک نہیں۔

ہمت مرداں مددِ خدا

قومی لفٹر نوح دستگیر بٹ کا نیا ریکارڈ

ایشین پاور لفٹنگ چیمپئن شپ میں 400 کلووزن اُٹھا کر تاریخ رقم کردی

پاکستان میں ٹیلنٹ کی کمی نہیں ہے چاہے کھیل کا میدان ہو، تعلیم کا میدان اور یا پھر کسی بھی فن کا۔۔۔ پاکستانی شہریوں نے اپنے سبز ہلالی پرچم کو ہمیشہ بلند کیا ہے۔ حال ہی میں پرائیڈ آف پرفارمنس ایوارڈ یافتہ اور کامن ویلتھ گیمز کے گولڈ میڈلسٹ نوح دستگیر بٹ نے ازبکستان کے شہر تاشقند میں ہونے والی ایشین پاور لفٹنگ چیمپئن شپ میں400 کلوگرام وزن اٹھا کر نئی تاریخ رقم کی ہے جس کے لئے پوری قوم مبارک کی مستحق ہے۔ قومی پاور لفٹر نے120 کلوگرام کیٹیگری کے اسکاٹ ایونٹ میں400 کلوگرام وزن اُٹھا کر ایشیا میں نیا ریکارڈ قائم کیا۔ قومی پاور لفٹر نے ایشین پاور لفٹنگ چیمپئن شپ میں پہلا گولڈ میڈل بھی اپنے نام کیا۔ اس سے قبل تائیوان کے ینگ پی یو نے380 کلوگرام وزن اٹھا کر ریکارڈ بنایا تھا، قومی پاور لفٹر نے بینچ پریس میں سلور میڈل حاصل کیا جبکہ ڈیڈ لفٹ اور ٹوٹل میں ڈس کوالیفائی ہوگئے، یکم دسمبر سے شروع ہونے والی ایشین پاور لفٹنگ چیمپئن 10 دسمبر کو اختتام پذیر ہوئی۔ واضح رہے کہ نوح دستگیر بٹ نے جنوبی افریقہ میں ہونے والی کامن ویلتھ پاور لفٹنگ چیمپئن شپ میں مجموعی طور پر بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے 3 طلائی اور ایک کانسی کا تمغہ اپنے نام کیا تھا۔ پرائیڈ آف پرفارمنس ایوارڈ یافتہ اور کامن ویلتھ گیمز کے گولڈ میڈلسٹ نے جنوبی افریقہ کے سن سٹی میں اپنے پہلے پاور لفٹنگ مقابلے میں 370 کلوگرام وزن اٹھا کر پاکستان کے پہلے پاور لفٹنگ گولڈ میڈلسٹ کے طور پر تاریخ میں اپنا نام روشن کیا تھا۔ نوح دستگیر بٹ کا تعلق پہلوانی، کبڈی اور ویٹ لفٹنگ کے لیے مشہور شہر گوجرانوالہ سے ہے اور انہیں ویٹ لفٹنگ کا شوق ورثے میں ملا ہے۔ 24 سالہ نوح دستگیر بٹ کے والد غلام دستگیر بٹ پانچ مرتبہ کے ساؤتھ ایشین گیمز گولڈ میڈلسٹ اور ریکارڈ ہولڈر ہیں جنہوں نے اٹھارہ مرتبہ قومی چیمپئن بننے کا اعزاز بھی حاصل کیا۔ اب ان کی پوری توجہ اپنے بیٹوں پر مرکوز ہے۔ نوح کے چھوٹے بھائی ہنزلہ دستگیر بٹ بھی پاکستان کے قومی جونیئر چیمپئن رہ چکے ہیں تاہم وہ2022 کے دولتِ مشترکہ کھیلوں میں تمغہ جیتنے میں ناکام رہے اور 109 کلوگرام کے مقابلوں میں نویں نمبر پر رہے۔ نوح دستگیر بٹ نے 2017 میں گولڈ کوسٹ میں منعقدہ کامن ویلتھ ویٹ لفٹنگ چیمپئن شپ میں طلائی تمغہ جیتا تھا اور گزشتہ کامن ویلتھ گیمز میں بھی وہ طلائی تمغے کی امید لیے آسٹریلیا پہنچے تھے لیکن انہیں وہاں کانسی کے تمغے پر اکتفا کرنا پڑا تھا۔ یہ تمغہ جیتنے کے بعد نوح نے کہا تھا کہ یہ کانسی کا تمغہ ان کیلیے پہلا قدم ہے لیکن منزل نہیں کیونکہ انہیں ابھی بہت کچھ کرنا ہے۔